(غلام گردش)

کیا جمہوریت، صرف الیکشن کا نام ہے؟

"ہمارے ملک کی سیاست نرسری سکول کی سطح پر جا چکی ہے۔ یہ وقت ہے کہ میں ایک بالغ انسان کی طرح فیصلے کروں"۔ پاکستان کی سیاست کے متعلق بات نہیں ہو رہی جہاں سیاست کو ذمہ داری کے ساتھ منسلک کرنے میں اجتماعی طور پر ناکام ہو چکے ہیں۔ یہ جملہ ناروے کی وزیر انصاف سلوی لستھوگ (Silvi Listhaug) کا ہے۔ کوئی پرانی بات بھی نہیں۔ صرف چند ہفتے پہلے کا واقعہ ہے۔ سلوی، ناروے کی حکومتی پروگریس پارٹی کی اہم ترین وزیر تھی۔ بیرون ملک سے آنے والے لوگوں کی شہریت لینے کے متعلق اسکے خیالات انتہائی سخت تھے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ناروے میں دائیں بازو کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ پروگریس پارٹی کا منشور ہی یہ تھا بلکہ ہے کہ باہر سے آنے والے لوگوں کو شہریت بہت چھان بین کر کے دینی چاہیے کیونکہ آنے والے چند افراد دہشت گردی اور بنیاد پرستی کو معاشرے میں ساتھ لیکر آتے ہیں۔ ناروے کی واضح اکثریت سلوی کے خیالات سے متفق تھی۔ ناروے میں کچھ واقعات ایسے ہوئے تھے جن میں مہاجرین نے دہشت گردی کی واردات کرنے کی کوشش کی تھی۔ سلوی کا نکتۂ نظر بہت واضح اور پختہ تھا۔ یہ سب کچھ ایک طرف۔ مگر جو واقعہ سلوی کی پوری سیاست کو ختم کر گیا، انتہائی اہم ہے۔ وزیر کے طور پر اس نے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا۔ بل میں درج تھا کہ اگر ناروے میں کوئی شخص بھی دہشت گردی میں ملوث ہوا اور یہ اَمر ثابت ہو جائے تو اسکی ملکی شہریت ختم کر دی جائے۔ پارلیمنٹ میں ممبران نے اس انتہائی قدم کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا اور ووٹنگ میں بل مسترد ہو گیا۔ سلوی سے غلطی یہ ہوئی کہ فیس بُک پر ایک پیغام لکھ دیا کہ شائد ممبران دہشت گردوں کے حقوق کو ناروے کی سلامتی سے اہم سمجھتے ہیں۔ صرف ایک جملے نے پورے ملک میں ہیجان برپا کر دیا۔ پارلیمنٹ اور اسکے باہر لوگوں نے سرِ عام کہنا شروع کر دیا کہ بے شک وہ اصولی طور پر بیرون ملک سے آنے والے کو شہریت دینے کے خلاف ہیں۔ مگر یہ فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ سلوی، مہاجرین کی عزتِ نفس کو اہم نہیں سمجھتی۔ اسکے نزدیک انسانی حقوق کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ اگر کسی بھی کمیونٹی کا کوئی شخص دہشت گردی میں ملوث ہوتا ہے تو اسکے ساتھ انصاف ہونا چاہیے۔ مکمل طور پر سفید فام سوسائٹی میں اتنا ارتعاش پھیل گیا کہ سلوی نے ٹی وی پر آ کر پوری قوم سے معافی مانگی اور وزارت سے استعفیٰ دیدیا۔ میرا مقصد اس واقعہ سے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جمہوریت دراصل بھرپور ذمہ داری کا نام ہے۔ آپ اس نظام میں کسی کا حق نہیں مار سکتے۔ اپنے دشمن کا بھی نہیں۔ اسکا بھی نہیں، جسے آپ شدید ناپسند کرتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان ملکوں میں ہو سکتا ہے جہاں حقیقی معنوں میں جمہوریت موجود ہوتی ہے۔ جہاں مطلق العانی کو ایک گناہ سمجھا جاتا ہے۔

برطانیہ میں جمہوری قدروں کی ایک مثال انتہائی اہم ہے۔ صرف چند ماہ پہلے پریتی پٹیل کابینہ کی اہم ترین ممبر تھی۔ برطانیہ کا ای یو سے نکلنے کی مہم میں خاتون سیاستدان کا کلیدی کردار تھا۔ اسے "بین الاقوامی ترقی" کی وزارت دی گئی۔ چند ماہ پہلے پٹیل افریقہ کے سرکاری دورے پر گئی۔ یہ عام سا سرکاری دورہ تھا۔ افریقہ کے سرکاری دورے کے درمیان پٹیل نے ایک جگہ اسرائیلی افسران سے ملاقات کی۔ اس میں بھی کسی قسم کی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ برطانیہ اور اسرائیل کے انتہائی قریبی تعلقات ہیں اور دونوں ممالک ایک دوسرے کے

نزدیکی اتحادی ہیں۔ پریتی پٹیل سے غلطی یہ ہوئی کہ اسرائیلی اہلکاروں سے ملاقات کا تذکرہ سفارت خانے سے نہیں کیا۔ بلکہ جب وہ بطور وزیر ملنے گئی، تو سفارت خانے کا کوئی افسر بھی اسکے ساتھ نہیں تھا۔ دیکھنے میں یہ معمولی سی غلطی تھی۔ مگر جب برطانوی حکومت کو معلوم ہوا کہ بغیر اجازت کے وزیر نے غیر ملکی اہلکاروں سے ملاقات کی ہے اور کسی کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تو پورے ملک میں شور مچ گیا۔ اخباروں میں چھپنا شروع ہو گیا کہ آخر کیا وجہ تھی کہ وزیر نے اپنے ہی ملک کے سفارت خانے کو مطلع کیے بغیر، خفیہ ملاقات کرنے کی جرات کی۔ ملاقات میں کیا باتیں ہوئیں۔ کون سی ایسی اہم ضرورت تھی جسکی بدولت اسے خفیہ ملاقات کرنی پڑی۔ حکومتی وزیر نے بذات خود سفارتی قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ سرکاری آداب کے مطابق وزیر کے ساتھ ایک افسر ہونا چاہیے تھا جو تمام ملاقات کے اہم نکات کو قلمبند کرتا۔ آپ جمہوری حکومت کی طاقت اور احساسِ ذمہ داری دیکھیے۔ جیسے ہی ملاقات کی خبریں شائع ہونی شروع ہوئیں، پریتی پٹیل نے پوری برطانوی قوم سے معافی مانگی اور استعفیٰ دیدیا۔ اسکے آخری الفاظ تھے۔ "ملاقات کرنے میں میری کسی قسم کی بدنیتی نہیں تھی۔ مگر سمجھتی ہوں کہ میرے اس اقدام سے شفافیت اور سیاست کے اصولِ اقدار کو ٹھیس پہنچی ہے۔ یہی وہ صفات تھیں جسکے لیے میں سیاسی جدوجہد کرتی رہی ہوں۔ میں بطور وزیر، اپنے ہی اقدار پر پوری نہیں اُتر سکی۔ لہذا مجھے حکومت میں رہنے کا کوئی حق نہیں"۔ پیش کی گئی مثالوں سے صرف یہ ثابت کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ اپنے ملک میں جسے ہم جمہوریت سمجھ رہے ہیں وہ قطعاً جمہوریت نہیں ہے۔ صرف اور صرف لفظی لبادہ اوڑھ کر ایک اخلاقی بالادستی حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ جس نے بذات خود پورے سسٹم کو تباہ کر دیا گیا ہے۔

مغربی ممالک میں بہترین نظام اور جمہوری طرزِ حکومت کی انتہائی لازوال مثالیں موجود ہیں۔ ان دو واقعات کے علاوہ ہزاروں روشن مثالیں موجود ہیں۔ جہاں حکومت کے اہم ترین وزیر بلکہ وزراء اعظم، بذات خود، اپنی غلطی تسلیم کر کے حکومت سے استعفیٰ دیتے رہے ہیں۔ مگر اپنے ملکی نظام پر غور کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا اوپر دی گئی مثالوں سے سیکھنا۔ المیہ یہ ہے کہ ہم الیکشن کے محض انعقاد کو جمہوریت کا نام دے دیتے ہیں۔ یعنی محض ایک ناقص پراسس سے جو کچرا کشید ہو کر سامنے آئے، وہی حکومت کرنے کا اہل ٹھہرا۔ یہ تصور نہ صرف مکمل طور پر غلط ہے بلکہ انتہائی ادنیٰ ہے۔ ہمارے ملک میں شفاف الیکشن کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ مگر شفاف ترین الیکشن بھی جمہوریت کا صرف ایک جزو ہے۔ اصل جوہر تو وہ طرزِ عمل ہے جو ووٹ کی طاقت سے حکومت میں آنے والے عمائدین اپناتے ہیں۔ فوجی اقتدار کے ذریعے قائم کی گئی حکومتوں کی تو بات ہی نہیں کر رہا۔ اسلیے وہ انصاف اور انسانی حقوق کی مکمل بے حرمتی ہیں۔ طالبعلم کے طور پر قیام پاکستان سے لیکر آج تک کی کسی سویلین حکومت کو دیکھ لیجئے۔ آپ کو کسی قسم کی قابل قدر جمہوری روایتیں نظر نہیں آئینگی۔ عوام کی نظروں سے دور حکومتیں خفیہ ملاقاتیں تو کیا، خفیہ معائدے کرتی نظر آئینگیں۔ صدر ایوب بنیادی جمہوریت کے نظام کا نام لیکر جمہوری صدر بننے کی کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے پشاور کی ایئر بیس، کسی کو بھی اعتماد میں لیے بغیر امریکی حکومت کے حوالے کر دی۔ صنعتی ترقی اپنی جگہ، پر اس نیم جمہوری صدر میں اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں تھی کہ امریکی پائلٹ کی روس میں گرفتاری کے بعد اپنی غلطی ہی تسلیم کر لے کہ ہاں میں نے پشاور میں ایئر بیس، خفیہ معائدے کے تحت امریکی فضائیہ کے حوالے کی تھی۔ اس معاملہ کو بھی دبانے کی مکمل کوشش کی

گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو اس ملک کے موثر ترین منتخب وزیر اعظم تھے۔ اس سطح کا لائق اور ذہین سیاستدان کم از کم ہمارے ملک کی سیاسی زندگی میں دوبارہ نہیں آیا۔ مکمل طور پر تعصب کے بغیر، سوچنے سے کیا ظاہر نہیں ہوتا کہ بھٹو صاحب سیاسی مخالفین کو نقصان دینے کے لیے ہر غیر جمہوری بلکہ غیر انسانی حربہ استعمال کرتے تھے۔ کیا انکے دور میں سیاسی رہنماؤں پر بھرپور ریاستی تشدد نہیں ہوا۔ کیا دلائی لامہ کیمپ میں سیاسی مخالفین کو ذلت ورسوائی میں مبتلا نہیں کیا گیا۔ لوگوں کو سرِ عام غنڈوں سے پٹوایا نہیں گیا۔ بھٹو کی عظمت اور تاریخی قد کاٹھ اپنی جگہ، مگر انکے رویے کو خالصتاً جمہوری کہنا مناسب نہیں ہوگا۔ محتاط الفاظ میں وہ بھی ایک طرح کی شخصی آمریت کی خوبصورت شکل تھی۔ آپ اختلاف کر سکتے ہیں۔ مگر حقائق کی روشنی میں سابقہ وزیر اعظم کو مکمل طور پر جمہوری رویوں کا علمبردار نہیں کہہ سکتے۔ ضیاء الحق اور پرویز مشرف کے ادوار تو خیر سیاہ ہی سیاہ ہیں۔ ان دونوں نے تو ہمارا ملک اور معاشرہ دونوں برباد کر دیے۔ پر یہاں سوال اُٹھتا ہے کہ ووٹ لیکر آنے والے مقتدر لوگوں کا جوہری رویہ کیا رہا۔ کیا واقعی ان میں سے کسی نے بھی اپنے دورِ حکومت میں ایسی جمہوری اقدار کو پروان چڑھایا، جس سے ادارے مضبوط ہوتے۔ جمہوریت کے ثمرات عام لوگوں تک پہنچتے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ عملی طور پر ہمارے جمہوری رہنما بھی، جمہوریت کی اصل روح سے خوفزدہ رہے۔ صرف ووٹ کا نام لیکر، بالکل فسطائی اور عقلِ قل بنکر حکومت کرتے رہے۔ ان کے خیالات سے انحراف کرنے کی جس نے بھی کوشش کی، اسے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مثالیں ہیں جس میں جمہوری رہنماؤں نے فوجی ڈکٹیٹروں سے بڑھ کر ادنیٰ کارنامے انجام دیے۔ ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ جمہوریت دراصل الیکشن کروا کر حکومت پر قبضہ کرنے کا نام ہے۔ نہیں، بالکل نہیں۔ جمہوریت مکمل طور پر ایک شخصی اور قومی رویہ ہے۔ اسکے اصولوں سے انحراف قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہمارے ملک میں تو کوئی بھی اس تصحیح کی طرف نہیں جا رہا۔ حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہاں نہ کبھی جمہوریت تھی اور نہ ہی کبھی آنے کا امکان ہے۔ ہاں، نعرے اپنی جگہ۔ مگر حقیقت سے روگردانی کرنا بدترین ظلم ہے!

راؤ منظر حیات